حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رح

شرف الدین اصلاحی

اردو زبان کے مشہور شاعر میرتقی میر نے از راہ تعلی شاعرانہ یا نشہ کمال سے سرشار ہوکر کہا تھا :۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

یا پھر جیسا کہ شاعر مشرق علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ :۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کچھ اسی قسم کا احساس اور تاثر میرے دل میں پیدا ہوتا ہے جب میں سندھ کے مشہور صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اور شاعری پر نظر کرتا ہوں۔

شاہ بھٹائی ۱۱۰۱ ہجری مطابق ۱۶۹۰ عیسوی میں تعلقہ ہالا کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ نسباً آپ ہاشمی سید ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور جناب رسول خدا سے ملتا ہے۔ آپ کے آبا و اجداد امیر تیمور کے عہد میں ہرات سے ہندوستان آئے اور سندھ میں توطن اختیار کیا۔ خاندانی وجاہت اور علم و فضل شاہ صاحب کو ورثے میں ملا۔ شاہ صاحب کے متعلق عام روایت یہ ہے کہ وہ رسمی تعلیم سے بےبہرہ رہے، کہتے ہیں انہیں مدرسے میں تعلیم کے لئے بھیجا گیا تو انہوں نے الف کے سوا کچھ اور پڑھنے سے انکار

کردیا۔ اس خیال کے حامی شاہ صاحب کو امی اور ان پڑھ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس ایک دوسرا گروہ شاہ صاحب کی رسمی تحصیل علم کا قائل ہے، جس میں ڈاکٹر ٹرمپ (Dr. Trump) بھی شامل ہیں۔ شاہ صاحب کا کلام دیکھنے سے دوسرے گروہ کے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ کلام کی داخلی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے تمام مروجہ علوم حاصل کیے۔

شاہ صاحب نے عہد شباب میں قدم رکھا ہی تھا کہ ان کے ساتھ ایک ایسا سانحہ پیش آیا، جس کی بدولت کئی سال تک جنگلوں اور بیابانوں کی خاک چھاننی پڑی۔ شاہ صاحب کے والد شاہ حبیب جس زمانے میں کوٹڑی میں سکونت پذیر تھے، مرزا مغل بیگ ارغون کا معزز خاندان ان کے ارادتمندوں میں شامل ہوگیا۔ شاہ حبیب کی بزرگی اور پاکبازی سے مرزا مغل بہت متاثر تھا۔ مرزا کے گھرانے میں سخت پردے کا رواج تھا مگر شاہ حبیب کے لئے یہ رسم بالکل ختم کر دی گئی تھی۔ گھر کی تمام خواتین بےتکلف ان کے سامنے ہوتی تھیں۔ اکثر جب کوئی بیمار ہوتا، دعا تعویذ کے لئے شاہ صاحب کو بلایا جاتا۔ ایک بار مرزا مغل بیگ کی نوجوان لڑکی بیمار پڑی۔ اتفاق سے شاہ حبیب ان دنوں خود ذی فراش تھے، اس لئے جب بلاوا آیا تو اپنے نوجوان بیٹے شاہ لطیف کو بھیج دیا۔ مرزا کو پہلے تو تامل ہوا مگر پھر اس خیال سے کہ مرشد زادہ ہے بیٹی کا سامنا کرانے ہی بنی۔ شاہ لطیف مریضہ کا علاج کرنے آئے تھے خود بیمار ہوگئے۔ اس پری تمثال کو دل دے بیٹھے۔ یہ بات چھپنے والی نہ تھی۔ اور آخر کار شاہ حبیب کو اپنے اہل و عیال سمیت کوٹڑی سے نقل مکانی کرنا پڑا۔ نوجوان لطیف کا عشق حد جنوں کو پہنچ گیا۔ دل کے درد نے انہیں ایک جگہ آرام سے نہ بیٹھنے دیا۔ وہ گھر بار چھوڑ، سر بصحرا نکل گئے اور مسلسل تین سال تک حالت دیوانگی میں دشت نوردی کرتے رہے۔

عشق مجازی عشق حقیقی کا زینہ ہے۔ ہر سالک کو اس منزل سے گذرنا پڑتا ہے۔ سلوک اور تصوف میں تصور شیخ کو اسی لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

پھر حال شاہ صاحب نے یہ مرحلہ خود بخود بغیر کسی رہبر کی رہنمائی کے طے کر لیا۔ البتہ دوسرے درجے میں مقام عرفان تک پہنچنے کے لئے انہیں کسی اہل باطن کا دامن پکڑنا تھا۔ عالم وارفتگی میں پھرتے پھراتے ان کا گذر ٹھٹھہ سے ہوا تو یہاں ان کی ملاقات نقشبندیہ سلسلے کے ایک بزرگ سے ہوئی، جن کی خدمت میں کچھ وقت گذارنے کے بعد شاہ صاحب کی وحشت دور ہوئی اور وہ جذب کی حالت سے نکل کر دوبارہ طریق شریعت کے پابند ہوگئے۔ خدمت والدین اور عبادت و ریاضت کا جذبہ ازسرنو پیدا ہوا۔ وہ گھر واپس آ کر والدین کی خدمت میں رہنے لگے۔ شاہ صاحب کی گھر واپسی کے کچھ ہی عرصہ بعد، مرزا مغل بیگ کے خاندان پر تباہی آئی۔ ایک دشمن قوم کے کچھ افراد نے مغل بیگ کی حویلی پر حملہ کر کے خاندان کے تمام مردوں کو قتل کر دیا، صرف مستورات بچ رہیں، جس کے بعد پسماندگان کو یہ خیال ہوا کہ یہ روز بد ان پر اس لئے آیا کہ انہوں نے سادات کو تکلیف پہنچائی اور ان کی وجہ سے شاہ حبیب اور ان کے اہل خاندان کو اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا۔ وہ طالب عفو و درگذر ہوئے اور تلافیٔ مافات کے لئے مرزا مغل بیگ کی لڑکی کو شاہ لطیف کے عقد میں دے دیا۔ اس طرح شاہ صاحب کی داستان عشق ایک کامیاب انجام پر ختم ہوئی۔ شادی کے بعد شاہ صاحب نے بھٹ شاہ کو اپنا مسکن بنایا۔ اور ایک پر سکون ازدواجی زندگی کا آغاز کیا۔ اس وقت تک بھٹ شاہ چند ٹیلوں پر مشتمل ایک غیر آباد خطہ زمین تھا۔ مگر شاہ صاحب کی سکونت کے بعد ان کے مریدوں کی سعی و کوشش سے ایک خوبصورت بستی میں تبدیل ہوگیا۔ شاہ صاحب کی کشش دور دراز مقامات سے اہل فن اور ارباب کمال کو کھینچ لائی۔ صدہا موسیقار، سادھو، سنیاسی اور فقراء یہاں آتے، شاہ صاحب سے کسب فیض کرتے اور اپنا کمال دکھاتے۔ بھٹ شاہ کو مستقر بنانے کے بعد شاہ صاحب کو اطمینان اور سکون کی زندگی میسر ہوئی اور انہوں نے روحانیت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنے کے لئے مجاہدہ اور ریاضت شروع کر دی۔ غور و خوض کا مادہ شاہ صاحب میں

اوائل عمر ہی سے موجود تھا۔ عمر کے ساتھ ساتھ شعور میں پختگی آتی گئی اور دینی اور دنیوی تجربات نے انہیں اس مقام پر پہنچا دیا جہاں پہنچنے کے بعد انسان حیات سرمدی سے نواز دیا جاتا ہے۔

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد به عشق
ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما

جس طرح وہ زندگی میں ہزاروں بندگان خدا کے لئے شمع ہدایت تھے، وفات کے بعد بھی لوگ ان کے اقوال و افعال سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ شاہ صاحب کی زندگی میں کرامات اور خرق عادت کے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ شاہ صاحب کا انتقال جس طرح ہوا وہ بھی کسی کرامات سے کم نہیں۔ کہتے ہیں وفات سے اکیس دن پہلے شاہ صاحب یک قلم عزلت گزیں ہوگئے تھے۔ کھانا پینا سب چھوڑ دیا تھا۔ ایک دن غسل سے فارغ ہو کر مریدوں کے حلقے میں آئے، محفل سماع کا حکم دیا اور خود مراقبے کے لئے حجرے میں گوشہ نشین ہوگئے۔ مسلسل تین دن تک محفل سماع گرم رہی۔ تیسرے دن جب چند عقیدتمند حجرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر چکا ہے۔ کب آپ نے رحلت فرمائی، کسی کو معلوم نہ ہوسکا۔ بہر حال قرائن سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ۱۴ صفر ۱۱۶۵ ہجری مطابق ۱۷۵۲ عیسوی کو دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ آپ کا مزار آپ کی بسائی ہوئی بستی بھٹ شاہ میں آج بھی مرجع خلائق ہے۔ عقیدتمند وہاں جاتے ہیں اور وہاں کے روحانی ماحول سے اپنا ایمان تازہ کرتے ہیں۔ شاہ صاحب ایک ایسے بزرگ ہیں جن کی مقبولیت میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہے گا۔

یہ تھے شاہ صاحب کے مختصر سوانح۔ اب میں اختصار کے ساتھ شاہ صاحب کے سیرت و اخلاق کے متعلق عرض کروں گا۔ شاہ صاحب کی شاعرانہ عظمت اعتراف ہے بالاختر ہے۔ ان کے متصوفانہ خیالات دنیائے روحانیت کا انمول

گنجینہ ہیں، لیکن بحیثیت انسان شاہ صاحب کی اصل عظمت کا راز ان کی سیرت کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی میں مضمر ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے عظیم شاعر مفکر، فلسفی، مدبر اور معلم اخلاق گذرے ہیں جنہوں نے اپنے ابنائے جنس کو اخلاقیات کا درس دیا ہے مگر خود ان کی اپنی زندگیاں عملی اعتبار سے اس کے برعکس تھیں۔ ظاہر ہے ایسے لوگوں کی زندگی بنی نوع انسان کے لئے اسوہ نہیں بن سکتی۔ شاہ صاحب کی زندگی اس لحاظ سے ہمارے لئے نمونہ ہے کہ انہوں نے جن باتوں کی تبلیغ کی وہ ایسی باتیں ہیں جو ان کی اپنی سیرت کا جز تھیں۔ شاہ صاحب کے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ بحیثیت انسان شاہ صاحب نہایت سادگی پسند، پاک طینت، سنجیدہ، حلیم، بردبار اور منکسر المزاج تھے۔ انسانی ہمدردی ان کا مذہب تھا۔ ایثار و خلوص، رواداری اور وسیع المشربی ان کا شیوہ۔ امانت و دیانت، راستبازی اور صاف گوئی ان کا شعار۔ وہ تعصب اور تنگ نظری سے پاک تھے۔ حرص و ہوس، بغض و حسد سے انہیں دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ دنیوی جاہ و حشمت اور مادی ساز و سامان سے بالکل بے نیاز تھے۔ شاہ صاحب کی وسیع المشربی اور مذہبی رواداری ہی کا اثر تھا کہ ہر مذہب و ملت اور ہر فرقے اور طبقے کے لوگ آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ عصبیت اور جنبہ داری سے ان کی طبیعت کو کوئی نسبت نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تصوف میں کسی خاص مسلک کا متشدد پیرو بننے کی بجائے، تصوف کی حقیقی روح کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی۔ رسماً شاہ صاحب قادریہ سلسلے سے منسلک تھے۔ انہوں نے بیعت اپنے والد بزرگوار کے ہاتھ پر کی تھی جو اس سلسلے کے ماننے والے تھے، لیکن شاہ صاحب کی زندگی میں ایسی باتیں بھی ملتی ہیں جو اس سلسلے کے بزرگوں میں نہ تھیں۔ میں سمجھتا ہوں، شاہ صاحب کی شخصیت کا یہ پہلو تفریق این و آں اور من و تو کے امتیاز سے بالاتر ہو کر فقط شیٔ کی حقیقت کو دیکھنے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اور یہ ان کی بے لاگ حق پسندی کی دلیل ہے۔ شاہ صاحب کی زندگی کا مطالعہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ وہ ایک آزادہ رو، اور

''صلح کل'' کے حامی انسان تھے۔ ان کا عمل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر تھا کہ الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجدھا فھو احق بھا۔ حکمت و دانائی مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے یہ جہاں بھی ملے اس پر سب سے پہلے مومن کا حق ہے۔

شاہ صاحب کی زندگی ایک سچے مومن کی زندگی تھی۔ وہ ایک پاک نہاد انسان تھے۔ دنیوی لذات سے وہ کوسوں دور تھے۔ وہ اکثر اپنے حلقہ بگوش ارادتمندوں کو کم کھانے، کم سونے، کم بولنے، خود غرضی سے بچنے، دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے، سادہ لباس پہننے کی تلقین کرتے۔ خود ان کی اپنی زندگی انہی اصولوں کا نمونہ تھی۔ شاہ صاحب کی رحمدلی کا یہ عالم تھا کہ انسان تو انسان کسی جانور یا پرندے کو بھی اذیت دینا ناروا سمجھتے تھے۔ حسن سلوک کو زیور انسانیت سمجھتے تھے۔ معاملات میں صفائی کو عبادات کی غرض و غایت سمجھتے تھے۔

شاہ بھٹائی کی شاعری کے متعلق کچھ کہنے کے لئے ایک دفتر درکار ہوگا، جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ پھر بھی اس کے متعلق کچھ نہ کچھ کہنا اس لیے ضروری ہے کہ شاہ کی شاعری ہی ان کی زندگی کا سب سے مہتم بالشان واقعہ ہے۔ شعر و ادب کے دو رخ یا دو پہلو ہیں۔ ایک مواد یعنی Matter دوسرا ہیئت یعنی Form ۔ جہاں تک شاہ کی شاعری میں پہلے رخ کا تعلق ہے بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاہ کی شاعری ان کی زندگی کا عکس ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں انہی افکار و خیالات، عقائد و نظریات کو جگہ دی ہے جن پر وہ زندگی بھر کار بند رہے۔ اور اس کے اعادہ کی ضرورت اس لیے نہیں رہی کہ ان کی حیات اور سیرت کی ایک جھلک آپ ابھی دیکھ چکے ہیں۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ شاہ کی شاعری پر تصوف کا رنگ غالب ہے۔ مگر شاہ کے یہاں تصوف برائے شعر گفتن نہیں۔ تصوف شاہ کی زندگی کا نفس ناطقہ ہے۔ اسی لیے یہ ان کے کلام میں ایک زندہ حقیقت بن کر جلوہ گر ہے۔ روایتی تصوف کے

برخلاف شاہ صاحب کے متصوفانہ خیالات میں ایک طرح کی گرمی حرارت اور نفوذ کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

شاہ صاحب نے شاعری کو اپنے خیالات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے کلام میں محض پیغام ھی پیغام ہے، اور اس میں شعری لوازمات اور فنی خوبیاں موجود نہیں۔ شاہ کے کلام میں محاسن سخن کی وہ تمام اقسام پائی جاتی ہیں جو ایک فطری شاعر کے کلام میں ہونی چاھئیں۔ ان کا کلام فصیح وبلیغ ہے۔ انہوں نے شعری روایات کو برتا نہیں بلکہ برپا کیا ہے۔ ان کی قائم کی ہوئی شعری روایات سے بعد کے سخنوروں نے خوشہ چینی کی ہے۔ شاہ کے کلام میں نادر تشبیہات، بلیغ استعارات کا ایک جہان آباد ملتا ہے۔ وہ الفاظ کے انتخاب میں بڑی مشاقی سے کام لیتے ہیں۔ خوبصورت الفاظ، چست بندشیں اور خوش وضع تراکیب ان کے کلام کے حسن کو دوبالا کرتی ہیں۔ وہ تخئیل و محاکات کی مدد سے چھوٹے چھوٹے واقعات اور معمولی جزئیات کی جس طرح تصویر کشی کرتے ہیں یہ انہی کا حصہ ہے۔ ان کے تخیل کی پرواز انہیں ان مقامات کی سیر کراتی ہے جہاں ہر کہہ و مہ کا گزر نہیں۔ ان کا مشاہدہ تیز، ان کا ادراک بلند اور ان کی حسیات عمیق ہیں۔ وہ فطرت انسانی کے نباض اور مظاہر قدرت کے نکتہ داں ہیں۔ وہ اپنی شاعری کے لئے ایسے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں جو بظاہر بہت معمولی ہوتے ہیں مگر شاہ صاحب انہی معمولی باتوں میں سے ایسے ایسے نکتے نکالتے ہیں کہ شاید و باید۔

شاہ صاحب کے کلام میں جو نغمگی اور غنائیت ہے اس کی تکمیل میں جہاں ان کے شاعرانہ کمال کو دخل ہے، وہاں موسیقی کے ساتھ ان کے غیر معمولی شغف کا بھی حصہ ہے۔ شاہ صاحب باوجودیکہ قادریہ سلسلے سے وابستہ تھے جس میں غنا اور موسیقی کو پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا، پھر بھی موسیقی اور سماع سے ان کو گہری دلچسپی تھی۔ شاعری اور موسیقی فنون لطیفہ کی دو اہم شاخیں ہیں اور ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ شاہ صاحب کی شخصیت

میں ان دونوں کا اجتماع ان کے اپنے فن کے کمال کا ضامن ثابت ہوا۔ جس طرح ملکہ' شاعری ان کی فطرت میں مبدأ فیاض کا ودیعت کردہ تھا اسی طرح ذوق موسیقی بھی خدا داد تھا۔ بلند افکار کے ساتھ ان دونوں اوصاف نے مل کر شاہ صاحب کو فن کی ان بلندیوں پر پہنچا دیا جہاں ان کا مقابلہ دنیا کے کسی بھی عظیم شاعر سے کیا جا سکتا ہے۔ تشنگی محسوس کی جائے گی اگر میں شاہ کے دو چار شعر ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے نہ پیش کروں۔ "سر سومل رانو" میں ایک جگہ وہ سومل کی سہیلیوں کا ذکر بڑے دلکش انداز میں کرتے ہیں :۔

سروں پر سبز شالیں یا دو شالے — مہکتے بال اور مانگیں نکالے
وہ جسم صندلیں وہ عنبریں مو — وہ چہروں کے تر و تازہ اجالے
انہی میں تھی وہ گل اندام سومل — وہ سب انداز تھے جس کے نرالے
اسے رانے سے جو وابستگی تھی — حقیقت میں وہی اس کی خوشی تھی

(منظوم ترجمہ)

یوم لطیف

الحمد للہ کہ اس بزرگ ہستی کی یاد میں تقریباً ہر سال لطیف ڈے منا کر ان کا ذکر خیر کرتے ہیں، ساتھ ہی ان کے اسر پیغامات کے تجزیہ میں بھی کاوش کی جاتی ہے۔ البتہ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کی عظمت کو خراج تحسین پیش کرنے کا صحیح طریقہ یہ نہیں کہ ہم کبھی کبھار جلسے جلوس منعقد کر کے گرمی' محفل کا سامان کر لیا کریں۔ شاہ صاحب کے ساتھ سچی عقیدت کے اظہار کا حق یوں ادا نہیں ہو سکتا کہ ہم صرف تقاریب منعقد کر کے تقریریں کریں اور مقالے پڑھیں، ان کے افکار و خیالات پر زبانی جمع خرچ صرف کر کے محض اسی کو کافی سمجھیں۔ اگر ہم کو شاہ کے ساتھ سچی محبت اور دلی عقیدت ہے، ان کی تعلیمات کا ہمارے دل میں احترام ہے تو ضرورت اس بات کی

ہے کہ ہم ان کے افکار و خیالات کو اپنی عملی زندگی کے لیے مشعل راہ بنائیں، اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ان کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق استوار کریں۔ شاہ صاحب کے پیغام میں جس بات کو بنیادی اہمیت اور مرکزی حیثیت حاصل ہے وہ محبت اور انسان دوستی ہے، اخوت، صلہ رحمی اور بھائی چارہ ہے، ایثار و قربانی ہے، رواداری اور وسیع المشربی ہے۔ ہم کو چاہئے کہ ہم سوچیں اور اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں کہ ہماری عملی زندگی میں ان باتوں کو کہاں تک دخل ہے اور ان کے برعکس باتیں کہاں تک ہمارا جزو ایمان ہیں۔ سندھ کی سر زمین جو شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی جنم بھومی اور آخری آرامگاہ بھی ہے یہ وہ سر زمین ہے جس میں شاہ نے سکھ اور شانتی، امن اور سلامتی کے گیت گائے ہیں، آئیے شاہ گردوں وقار کے پیغام حق کی روشنی میں ہم باہم مل کر ایک ایسے وطن کی تعمیر کریں جس میں صرف اخوت کے نغمے ہوں، محبت کے زمزمے ہوں، پیار کی باتیں ہوں اور الفت کے ترانے ہوں، تاکہ آنے والی نسلیں شہادت دے سکیں کہ تقدس مآب شاہ صاحب کے پیغام کے مطابق ہم عمل پیرا ہوئے۔